© rasailojaraid.com

مجلس احرارِ اسلام اور محاسبۂ قادیانیت
(۱۹۳۱ء۔۱۹۵۳ء)

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

مجلس احرار اسلام کی قادیانیت شکن تاریخی جدوجہد کے تذکرے کے بغیر محاسبۂ قادیانیت کی تاریخ کی حیثیت محض الفاظ کی ہیرا پھیری اور بے مصرف کاغذات کے پلندے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اکابرِ احرار کا یہ منفرد کارنامہ ہے کہ انھوں نے اپنے تدبر اور بصیرت کے ساتھ قادیانیت کے مذہبی لبادے کو تار تار پھینکا اور اُس کی مکروہ سیاسی اصلیت کو یوں آشکارا کیا کہ قادیانیت کی مذہبی فریب کاری کا ملمع اتر گیا اور برِعظیم کے مسلمان عوام پر یہ واضح ہو گیا کہ قادیانی مقامِ مذہب کی آڑ میں دراصل برطانوی سامراج کے سکہ بند ایجنٹ ہیں جو مسلمانوں میں مہدی، مجدد اور ختم نبوت کے مناصب کو متنازعہ بنا کر افتراق و انتشار کا بیج بونا چاہتے ہیں۔ تاکہ انجام کار مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ "ختم نبوت" کے مقدس پر نقب لگا کر مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کیا جائے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا دروازہ بند کر دیا جائے، اور فرنگی سامراجیت کا عرصۂ اقتدار طویل تر کر دیا جائے۔ مجلس احرار اسلام نے اس گھناؤنی اینگلو انڈین سازش کو طشت از بام کر کے عالم اسلام کو اپنا احسان مند کیا۔

مجلس احرار اسلام کے زعمائے کرام میں سے صفِ اوّل کے دو رہنماؤں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے مجلس احرار اسلام کے قیام سے پیشتر ہی قادیانیت کی سرکوبی کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر رکھا تھا۔ احرار کے بانی رہنما مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے خانوادے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جب ۱۸۸۴ء میں آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی قادیانیت کی تبلیغ کے لیے لدھیانہ آیا اور اُس نے وہاں مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے دادا جان حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ نے مرزا قادیانی کے مستقبل کے ارتدادی عزائم کو بھانپ کر اُس کے خلاف سب سے پہلا فتویٰ تکفیر جاری کیا۔ مرزا قادیانی کو نہ صرف اُس کی زندگی میں ہی اُسے دلائل و براہین کے ہتھیاروں سے لاجواب کر کے بے بسی سے دوچار کیے رکھا، بلکہ مرزا قادیانی کی عبرت ناک موت کے بعد بھی وہ اُس کے جانشینوں کے دجل و فریب کو قوتِ ایمانی سے واشگاف کرتے رہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے قادیانی نبوتِ کاذبہ کے خلاف اپنے خاندان کی جاری کی ہوئی بے مثال جدوجہد کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید توانائی عطا کی اور محاسبۂ قادیانیت اُن کی حیاتِ مبارکہ کا ماحصل ٹھہرا۔

مجلس احرارِ اسلام کے دوسرے بانی رہنما حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی اپنی عملی قومی و دینی زندگی کے آغاز سے ہی قادیانیت کے خلاف شمشیر بکف تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے ۱۹۱۶ء میں امرتسر میں مرزا بشیر الدین محمود کے ایک جلسے میں کھڑے ہو کر اُسے للکارا اور حدیث مبارکہ میں تحریف کرنے پر سرِ عام ٹوکا۔ جس کی تاب نہ لا کر مرزا بشیر الدین کو فرار ہوتے ہی بنی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے پیہم قادیانیت کے ارتدادی ارادوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں، جس سے قادیانی اُمت اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہو گئی۔

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ قادیانی ارتداد کے پھیلاؤ اور اس فرقۂ ضالہ کے خطرناک تخریبی عزائم پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے قادیانیت شکن جہاد میں اُن کے خلوص، للّٰہیت، بے غرضی اور بے مثال و منفرد خداداد صلاحیتوں کے اظہار و استعمال کا بغور مشاہدہ فرمایا تو انھوں نے ۱۹۳۰ء میں انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو قادیانیت کے فتنہ کی روک تھام کے لیے ''امیر شریعت'' مقرر فرما دیا اور اس موقع پر پانچ سو سے زائد علماء کرام نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنے اس منصب کی لاج رکھتے ہوئے برعظیم کے اکناف و اطراف میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے استیصال کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ جس سے مسلمانوں کو فتنۂ قادیانیت سے بخوبی آگاہی ہوئی اور بلا مبالغہ ہزاروں مسلمانوں کے ایمان اُن کی زبردست تبلیغی مساعی کی بدولت قادیانیت کے مذموم اثرات سے متاثر ہونے سے محفوظ ہو گئے۔

جب زعماء احرار نے ۱۹۲۹ء میں مسلمانوں کی الگ دینی و سیاسی جماعت مجلس احرار اسلام کی نیو اُٹھائی تو اُن کے اس اقدام کے پس منظر میں جہاں امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کا اصولی مشورہ کارفرما تھا، وہیں علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی یہ بنیادی تجویز بھی شریکِ کار تھی کہ:

> ''پنجاب میں ایک ایسی منظّم عوامی تنظیم کا قیام عمل میں آئے جو قادیانیت کے محاذ پر سرفروشانہ کام کرے اور استخلاصِ وطن کے لیے بھی جدوجہد کرے۔''[۱]

بزرگانِ احرار نے اِنھی عظیم المرتبت اکابر کے حکم پر ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام کا ابتدائی خاکہ ترتیب دیا۔ مجلس احرار اسلام کے بانیوں میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، مظہر علی اظہر، اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی وغیرہ شامل تھے۔

تحریک آزادیٔ کشمیر:

۱۹۳۱ء میں جب مہاراجۂ کشمیر نے کشمیری مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو وادیٔ کشمیر میں بغاوت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنگاری سلگ اٹھی۔ اسی اثناء میں مسلمانانِ کشمیر کی دادرسی کے لیے ۲۵ رجولائی ۱۹۳۱ء کو ہندوستان کے مسلمان رہنما شملہ میں اکٹھے ہوئے اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی، مگر بدقسمتی سے کشمیر کمیٹی کا صدر مرزا بشیر الدین محمود قادیانی اور جنرل سیکرٹری عبدالرحیم دردؔ قادیانی کو منتخب کیا گیا۔ کمیٹی کے دیگر اراکین میں نواب ذوالفقار علی خان، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، نواب ابراہیم علی خان، خواجہ حسن نظامی، خان بہادر رحیم بخش، سید محسن علی شاہ، مولانا محمد اسماعیل غزنوی، مولانا سید حبیب ایڈیٹر ''سیاست'' اور خان بہادر مولوی نورالحق ایڈیٹر ''مسلم آؤٹ لک'' لاہور شامل تھے۔ کشمیر کمیٹی کے بنتے ہی قادیانیوں نے اپنی طے شدہ حکمتِ عملی کو بروئے کار لایا۔

جیسے کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''مسٹر عبدالرحیم دردؔ (قادیانی، جنرل سیکرٹری کشمیر کمیٹی) نے ہندوستان کے تمام مشہور علماء، فضلاء، اور ڈاکٹروں کو خطوط لکھے کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا ممبر بنالیا گیا ہے۔ ہندوستان کے تمام لوگ حقیقتِ حال سے ناواقف تھے۔ کسی نے کشمیر کمیٹی کی طرف توجہ نہ کی، سوائے مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں کے، کسی نے بھی عبدالرحیم درد پرائیویٹ سیکرٹری مرزا محمود احمد کو انکار کا خط نہ لکھا۔''[۲]

جبکہ قدرت اللہ شہاب کے بقول:

> ''کشمیر کمیٹی کے ساتھ ہی ''مرزا بشیر الدین نے یہ تاثر دینا شروع کردیا کہ اُن کی صدارت میں اس کمیٹی کو قائم کر کے ہندوستان بھر کے سرکردہ مسلمان اکابرین نے اُن کے والد میرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے۔ اس شرانگیز پروپیگنڈے کے جلو میں قادیانیوں نے نہایت عجلت کے ساتھ اپنے مبلغین کو جموں وکشمیر کے طول وعرض میں پھیلانا شروع کردیا۔ تاکہ وہ ریاست کے سادہ لوح عوام کو ورغلا کر انھیں اپنے خودساختہ نبی کا حلقہ بگوش بنانا شروع کردیں۔''[۳]

مجلس احرار اسلام کے رہنما کشمیر کمیٹی پر قادیانیوں کے تسلط کو بتیس لاکھ کشمیری مسلمانوں کے حق میں سراسر نقصان دہ جانتے تھے، کیوں کہ انھیں یقینِ کامل تھا کہ قادیانی کشمیری مسلمانوں کی امداد کے نام پر اُن کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے خواہاں ہیں۔ لہٰذا امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق اور مولانا داؤد غزنوی پر مشتمل احرار رہنماؤں کے ایک وفد نے ۸ راگست ۱۹۳۱ء کو علامہ محمد اقبال سے ملاقات کی۔ اراکینِ وفد نے علامہ اقبال سے کہا کہ:

> ''کیا آپ نے بھی قادیانی قیادت کو تسلیم کرلیا ہے۔ اگر آپ کی دیکھا دیکھی کشمیر کے بتیس لاکھ مسلمان قادیانی ہوگئے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ مجرم ہوں گے۔ نیز قادیانی دوسرے مسلمانوں پر بھی گمراہ کن اثر کریں گے۔ لہٰذا آپ اُن سے علیحدگی کا اعلان کریں۔''

اس ملاقات کے اگلے روز ۹ راگست کو کشمیر مسلمانوں سے اظہارِ یکجہتی کے لیے علامہ اقبال کی صدارت میں منعقدہ ایک نمائندہ اجتماع میں مجلس احرار اسلام کے رہنما اجتماع کا فیصلہ اپنے حق میں کرانے میں کامیاب ہوگئے اور ۱۴، ۱۵ راگست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۳۱ء کو ہونے والے جلوسوں اور جلسوں کا تمام انتظام مجلس احرار پنجاب کے سپرد کرنے کا فیصلہ ہوا۔[۴]

مجلس احرارِ اسلام نے کشمیری مسلمانوں کے لیے ہندوستان گیر تحریک چلائی۔ اس عظیم تحریک کے دوران مجلس احرار کے پچاس ہزار کارکن گرفتار اور اُنیس مجاہدینِ احرار شہید ہوئے۔ اس تحریک نے جہاں کشمیری مسلمانوں میں آزادی کا شعور پیدا کیا اور قادیانی گماشتوں کی تبلیغی سازشوں کا پردہ چاک کر کے اُن کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا، وہیں ہندوستانی مسلمانوں کو کشمیریوں کے جان لیوا مسائل سے بھی روشناس کرایا۔ احرار رہنماؤں کی مسلسل محنت کے نتیجہ میں ۷ رمئی ۱۹۳۳ء کو مرزا بشیرالدین قادیانی کو کشمیری کمیٹی سے مستعفی ہونا پڑا اور اُس کی جگہ علامہ محمد اقبال کشمیر کمیٹی کے صدر بنائے گئے، لیکن انھوں نے بھی قادیانیوں کی اصلیت ظاہر ہونے پر بالآخر جون ۱۹۳۳ء میں کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور انھوں نے اپنے استعفیٰ دینے کے پس منظر میں قادیانی سربراہ اور اُس کے خواجہ تاشوں کی سازشوں کا پردہ چاک کیا۔ مجلس احرار اسلام نے اپنے ایک اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے علامہ اقبال کو کمیٹی کی صدارت سے الگ ہونے پر خصوصی مبارک باد پیش کی۔

قادیان میں داخلہ:

احرار کشمیر کے محاذ سے فارغ ہوئے ہی تھے اور ابھی اُن کی جیلوں سے رہائی عمل میں آ ہی رہی تھی کہ اُنھی دنوں قادیان کے غریب مسلمانوں کی بے کسی کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ قادیان میں آنجہانی مرزا بشیرالدین قادیانی نے اپنے انگریز آقا کی سرپرستی میں اپنی سٹیٹ قائم کر رکھی تھی۔ قادیانیوں کا اپنا عدالتی نظام قائم تھا۔ پولیس اُن کی کنیز تھی۔ مسلمانوں کی عزت وآبرو اور مال و دولت محفوظ نہ تھی۔ تجارت اور خرید وفروخت پر قادیانیوں کے ظالمانہ ٹیکس رائج تھے۔ الغرض برطانوی حکومت کی آشیر باد پر قادیان میں ظلم وتشدد کی اندھیر نگری قائم تھی اور وہاں مرزا بشیرالدین اِندر سبھا کا راجہ بنا ہوا تھا۔

ایک طرف قادیان کے مسلمان قادیانیوں کے ظلم وسفا کی کے عذاب سہہ رہے تھے اور دوسری طرف علماء کا ایک گروہ مناظروں کے نام پر اپنی دکانداری چمکانے میں مصروف تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عام مسلمان بھی قادیانیوں کے کفریہ عقائد کو فروعی اختلافات جان کر نظر انداز کر دیتا تھا۔ کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ قادیانیوں کے کفر کا برملا اعلان کر کے اُن کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو سکے۔

۱۹۳۳ء کے ایام کا ذکر ہے کہ مولانا عبدالکریم مباہلہؒ، مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ سے دفتر احرار لاہور میں آ کر ملے۔ (مولانا مباہلہ سابق قادیانی تھے۔ مرزا بشیرالدین نے اُن کے ناموس پر ہاتھ ڈال کر اپنی فطری خباثت کا مظاہرہ کیا۔ جس کے نتیجے میں مولانا مباہلہ نے مرزا بشیر کو دعوتِ مبارزت دی، جس کا سامنا نہ کر سکنے پر مرزا نے مولانا کے خاندان کا مقاطعہ کر دیا اور انھیں مجبوراً قادیان سے نکلنا پڑا۔) مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں نے مولانا عبدالکریم مباہلہ سے قادیان کے واقعات سن کر یہ فیصلہ کیا کہ قادیان میں مسلمانوں کو درپیش حالات سے آگاہی کے لیے ابتدائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر دو اَحرار کارکنوں کو قادیان بھیجا جائے، چنانچہ ۶/اکتوبر ۱۹۳۳ء کو حبیب الرحمٰن اور سید غریب شاہ کو قادیان روانہ کیا گیا۔ ان نو وارد کارکنوں کو قادیان میں گھومتا دیکھ کر قادیانیوں کو شبہ ہوا تو اُن پر ظلم وتشدد کا بازار گرم کر دیا گیا۔ جس سے غریب شاہ کی حالت غیر ہوگئی۔ دونوں کارکن بڑی مشکل سے لاہور پہنچے اور قادیان کے ناگفتہ بہ حالات کی رپورٹ احرار رہنماؤں کے سامنے پیش کی۔ جس پر مہینوں کے غور وخوض کے بعد قادیان میں مجلس احرار اسلام کا دفتر کھول دیا گیا اور ۱۹۳۴ء کے آغاز میں مجاہدِ ختم نبوت حضرت مولانا عنایت اللہ چشتیؒ کو قادیان میں مبلغِ احرار کی حیثیت سے تعینات کر دیا گیا، جنھوں نے کئی سال تک مجلس احرار اسلام کی ہندوستان گیر تنظیم کے سہارے قادیان میں تحفظ ختم نبوت کا مقدس کام بڑی جرأت ودلیری اور ہمت واِستقامت کے ساتھ کیا۔

۲۳/مارچ ۱۹۳۴ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ صدر آل انڈیا مجلس احرار اسلام، قادیان تشریف لے گئے۔ صدرِ احرار کی قادیان میں آمد قادیانیوں کے لیے کسی بڑے صدمے سے کم نہ تھی کہ وہ زمین کہ جہاں کسی مسلمان کو دم مارنے کی اجازت نہ تھی، وہاں قادیانیوں کی سب سے بڑی مخالف جماعت کے سربراہ بلاخوف وخطر تشریف لا چکے تھے اور اُن کی آمد سے حوصلہ پا کر قادیان کے قرب وجوار کے نواح گورداس پور، پٹھان کوٹ اور بٹالہ وغیرہ کے ہزاروں مسلمان اُن کے استقبال کے لیے قادیانیوں کے رعب ودہشت کو خاطر میں لائے بغیر قادیان میں پہنچ گئے اور وہاں پوری جرأت وحوصلہ کے ساتھ مولانا حبیب الرحمٰنؒ نے خطاب فرمایا۔ آپ کی ولولہ انگیز تقریر نے قادیان اور نواح کے مسلمانوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی تقریر کے بعد ایک قادیانی نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔

مجلس احرار اسلام نے قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی ارتدادی سرگرمیوں اور انگریز کی مکمل سرپرستی میں اُن کے تخریبی سیاسی عزائم کی مستقلاً روک تھام کے لیے ۲۱، ۲۲/جولائی ۱۹۳۴ء کو مجلس عاملہ کے ایک اجلاس میں جماعت کے شعبۂ تبلیغ کا باقاعدہ قیام عمل میں لایا، جس کا حسبِ ذیل منشور طے پایا:

’’(۱) شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام خالص مذہبی شعبہ ہے۔ سیاسیاتِ ملکی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

(۲) ارتداد ودہریت کی روک تھام کے پیشِ نظر مسئلہ ختم نبوت کی ہر ممکن حفاظت کرنا۔

(۳) مسلمانوں میں تبلیغِ اسلام کا شوق پیدا کرنا اور اُس کے لیے مبلغوں کی ایک سرگرم جماعت تیار کرنا۔

(۴) ہندوستان اور بیرون ہند میں اسلام کی اشاعت کرنا۔

(۵) خدمتِ خلق اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔‘‘ [۵]

اسی دوران میں خبر آئی کہ سر ظفر اللہ خان قادیانی کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں مسلمان نمائندہ کے طور پر لیا جا رہا ہے تو مجلس احرار نے اس پر شدید ردّعمل کا اظہار کیا اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، میر احمد حسین شملہ اور محمد احمد کاظمی ایڈووکیٹ پر مشتمل احرار وفد نے وائسرائے سے مل کر چودھری ظفر اللہ کی مسلمانوں کی سیٹ پر نامزدگی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف احتجاج ریکارڈ کرایا، لیکن حکومت برطانیہ کو اپنے مفادات عزیز تھے۔ اس لیے ۱۰/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ظفر اللہ خان کو مجلس احرار اسلام کے احتجاج کے برعکس وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن نامزد کر دیا گیا۔

مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ کے حکم پر مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما ماسٹر تاج الدین انصاریؒ بھی قادیانیت کی گوشمالی کے لیے قادیان پہنچ گئے۔ انھوں نے وہاں قیام پذیر ہو کر قادیانی پوپ پال مرزا بشیر الدین کے خاندان کے افراد کے جعلی وقار کو مٹی میں اس طور ملا دیا کہ اُن کا رہا سہا رعب و دبدبہ بھی زمیں بوس ہو گیا۔ قادیان میں بعد اَزاں مولانا محمد حیاتؒ، مولانا عتیق الرحمٰنؒ، خواجہ عبدالحمید بٹؒ بھی مولانا عنایت اللہ چشتیؒ کے ہمراہ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر دادِ شجاعت دیتے رہے۔

قادیانیوں کی سازشوں کو ہندوستان گیر سطح پر منکشف کرنے اور قادیانی سامری کا طلسم توڑنے کے لیے مجلس احرار اسلام نے ۲۱، ۲۲، ۲۳/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو قادیان میں ''احرار کانفرنس'' منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس سے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کا دینی جوش و جذبہ اپنی انتہاؤں کو چھونے لگا۔ اگرچہ مجلس احرار سے پہلے بھی علمائے کرام قادیان آ کر عقیدۂ ختم نبوت بیان کیا کرتے تھے، لیکن اُس وقت تک اُن کی یہ انفرادی کوششیں کوئی برگ و بار لانے میں کامیاب نہ ہو سکی تھیں۔ مجلس احرار اسلام ہندوستانی مسلمانوں کے متوسط طبقے کی مقبول ترین جماعت تھی۔ جس کی جڑیں پورے ملک میں مضبوطی سے قائم تھیں، چونکہ مجلس احرار اب قادیانی قادیانیوں کی سرکوبی کا مکمل تہیہ کر چکی تھی۔ اس لیے اُس کے وسیع جماعتی نظام کی بدولت پورے ملک سے اس کے ہزاروں کارکنوں سمیت دو لاکھ مسلمان احرار کانفرنس میں شرکت کے لیے قادیان پہنچ گئے۔ یہ نظارہ بھی قادیان کی زمین پر چشمِ فلک نے پہلی بار ہی دیکھا کہ وہ خطۂ زمین جہاں کسی بھی غیر قادیانی کے اونچی آواز میں بات کرنے پر بھی پابندی تھی، وہاں برعظیم کے بے مثال و آتش نفس خطیب عقیدۂ ختم نبوت کو جرأت و بے باکی سے بیان کرنے کے لیے تشریف لا چکے تھے۔ اُن کی جرأتِ گفتار اور شعلۂ کردار پر قادیان کا ہر مسلمان نازاں دکھائی دیتا تھا۔

مجلس احرار اسلام کے صفِ اوّل کے رہنماؤں کے علاوہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتیٔ ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوریؒ، مفتی عبدالرحیم پوپلزئیؒ، مولانا ظفر علی خانؒ اور مولانا ظہور احمد بگویؒ بھی قادیان میں پہنچ گئے۔ احرار کانفرنس ڈی اے وی ہائی سکول کے احاطہ میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس میں دیگر مقررین کے علاوہ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تاریخی خطاب فرمایا۔ آپ کی تقریر نے قادیانیت کے وجود میں سراسیمگی کی لہر دوڑا دی۔ مجلس احرار اسلام کے قادیان میں فاتحانہ داخلے اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قادیان میں شعلہ بار تقریر سے قادیانیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور مسلمانوں کو ایک نیا ولولہ ملا۔ شاہ جی کی تقریر سے بوکھلا کر انھیں ایک مقدمہ کے تحت ۷، دسمبر ۱۹۳۴ء میں گرفتار کر لیا گیا، لیکن ۸/ دسمبر کو انھیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداس پور دیوان سکھانند نے ضمانت پر رہا کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱ر جنوری ۱۹۳۵ء کو پولیس نے دفتر احرار لاہور پر چھاپہ مار کر شاعرِ احرار احمد یار خان رزمیؔ کی پنجابی نظموں کا ایک مجموعہ (جس میں مرزا قادیانی کے خلاف ایک نظم شامل تھی) برآمد کر کے ضبط کر لیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر قادیان والی تقریر پر مقدمہ چلتا رہا۔ ۲۰ر اپریل ۱۹۳۵ء کو مجسٹریٹ گورداس پور نے شاہ جی کو چھ ماہ قید با مشقت کی سزا سنائی، جس کے خلاف سیشن کورٹ میں اپیل کی گئی اور سیشن کورٹ نے ابتدائی سماعت میں ہی شاہ جی کو ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ عدالت نے ۶ر جون ۱۹۳۵ء کو اس مقدمے کا تاریخی فیصلہ دیا، جس نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مؤقف اور مجلس احرار کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ سیشن جج جی۔ ڈی کھوسلہ نے امیر شریعت کے جرم کو محض اصطلاحی قرار دیتے ہوئے تابرخواستِ عدالت قیدِ محض کی سزا سنائی۔ اس تاریخی فیصلہ نے قادیانیت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔

قادیانی مجلس احرار کے تابڑ توڑ حملوں سے گھبرائے ہوئے تھے، چنانچہ ۳ر ستمبر ۱۹۳۵ء کو قادیانیوں نے اپنے اخبار ''الفضل'' میں مجلس احرار کے رہنماؤں کو قادیان میں مباہلہ کی دعوت دے دی۔ اُن کی توقع کے برعکس احرار رہنماؤں نے بلا تاخیر اس دعوت کو قبول کر لینے کے ساتھ ہی مباہلہ کے لیے مولانا مظہر علی اظہر جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام ہند کے ۱۳ر ستمبر ۱۹۳۵ء کو قادیان پہنچنے کے فیصلے کو مشتہر کر دیا۔ جب مقررہ تاریخ کو مولانا مظہر علی اظہر احرار رہنماؤں صاحبزادہ سید فیض الحسن، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا محمد حیات، حاجی عبدالرحمٰن بٹالہ، خواجہ عبدالرحیم عاجز اور جانباز مرزا کی معیت میں قادیان پہنچے تو وہاں اُن کا شاندار استقبال کیا گیا۔ قادیانی احرار کی اس جرأتِ رندانہ سے اس حد تک خوف زدہ ہو گئے کہ وہ مباہلہ کے لیے میدان میں آنے کی جرأت ہی نہ کر سکے۔ جس سے قادیان میں احرار کانفرنس کی کامیابی کے بعد قادیانیوں کو دوسری مرتبہ اپنے ہی گھر میں پھر ہزیمت اٹھانا پڑی۔

اس خفت کو مٹانے کے لیے قادیانیوں نے نومبر ۱۹۳۵ء کو دوبارہ دعوتِ مباہلہ دے دی اور پھر خود ہی اُس سے انکاری ہو گئے، مگر احرار نے اُن کی دعوت قبول کر کے ۱۸ر نومبر کو مباہلہ کی تاریخ مقرر کر دی۔ جس پر قادیانی گماشتوں کی مدد کے لیے حکومت نے قادیان اور اُس کے نو میل کے فاصلے تک احرار رہنماؤں کے اجتماع اور داخلہ پر پابندی عائد کر دی۔ بعد اَزاں ایک دوسرے نوٹس کے ذریعے بعض احرار رہنماؤں کے قادیان اور اُس کے چار میل کے فاصلے تک داخلے اور اجتماعات کے انعقاد سمیت ۵ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو دفعہ ۱۴۴ کے تحت غیر معینہ مدت کے لیے نمازِ جمعہ کی ادائیگی پر پابندی عائد کر دی۔ اس حکم کے اگلے ہی روز (۶ر دسمبر کو) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس غیر شرعی پابندی کو توڑنے اور قادیان میں (۶ر دسمبر کو) جمعہ پڑھانے کا اعلان فرما دیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قادیان پہنچے تو انھیں گرفتار کر لیا گیا اور انھیں تین ماہ قید سخت اور پچاس روپے جرمانہ کی سزا دی گئی۔ جس پر مجلس احرار اسلام نے سول نافرمانی کا آغاز کر دیا۔ اگلے جمعہ (۱۳ر دسمبر) کو مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوری کو مجلس احرار نے جانباز مرزا کے ساتھ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے قادیان روانہ کیا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن انھیں بٹالہ سٹیشن پر ہی گرفتار کر کے گورداس پور جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں حضرت امیر شریعتؒ پہلے سے ہی قید تھے۔ ۲۰ر دسمبر کو مجلس احرار اسلام لاہور کے رہنما محمد حسین سیفی جماعتی حکم کے تحت قادیان میں جمعہ پڑھانے کے لیے روانہ ہوئے تو انھیں قادیان کے قریب گرفتار کر لیا گیا۔ ۲۷ر دسمبر کو نومسلم مولوی بشیر احمد (سابق قادیانی) احرار کے حکم کی پاسداری میں بٹالہ سٹیشن پر گرفتار ہوئے۔ ۳ر جنوری ۱۹۳۶ء کو اَحرار کے رہنما قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کو قادیان پہنچنے پر حراست میں لے کر ڈپوٹی مجسٹریٹ نے انھیں چھے ماہ قید اور ایک ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی۔ قاضی صاحب کی گرفتاری کے فوراً بعد ۵ر جنوری ۱۹۳۶ء کو حکومت پنجاب نے قادیان میں نمازِ جمعہ پر پابندی اٹھالی، جس پر احرار رہنما اور سابق قادیانی مبلغ مولانا لال حسین اخترؒ جنوری میں ہی قادیان تشریف لے گئے اور اجتماعِ جمعہ سے خطاب فرمایا۔ اس موقع پر ماسٹر تاج الدین انصاریؒ اور حاجی عبدالرحمٰن بٹالہ نے بھی تقاریر کیں اور حضرت امیر شریعتؒ کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

۳۱ر جنوری ۱۹۳۶ء کو مجلس احرار اسلام نے ہندوستان کی مسلمان جماعتوں اور انجمنوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی انجمنوں سے قادیانیوں کا اخراج کریں۔ اس مطالبہ کا سب سے زیادہ اثر انجمن حمایت اسلام پر پڑا، کیوں کہ اُس میں قادیانی گھسے ہوئے تھے۔ احرار انجمن کے سالانہ اجلاس کے موقع پر یہ قرارداد پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ:

''قادیانیوں کو بوجہ کفر، انجمن حمایت اسلام سے خارج کر دیا جائے، کیوں کہ کوئی غیر مسلم انجمن کا ممبر نہیں بن سکتا۔''

۱۹ر مارچ ۱۹۳۷ء کو مجلس احرار کے پنجابی شاعر حافظ محمد ابراہیم خادم کی پنجابی نظم ''مرزے دی بول گئی، کٹڑوں کُوں''، یونینسٹ گورنمنٹ نے ضبط کر کے قادیانیوں کو دلاسہ دینے کی کوشش کی۔ مجلس احرار کی تحریک ختم نبوت کے منہ زور تھپیڑوں سے قادیانیوں کی کشتی ہچکولے کھا رہی تھی، لہٰذا وہ بار بار اپنے انگریز سرپرستوں سے اپیلیں کر کے احرار رہنماؤں پر پابندیوں اور مقدمات کے احکام جاری کرا رہے تھے۔ اسی سلسلے میں ۳ر جنوری ۱۹۳۷ء کو حکومتِ پنجاب نے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے قادیان میں داخلے پر ایک سال کے لیے پابندی لگا دی۔ قادیانیوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے ۲۷، ۲۸ر فروری ۱۹۳۸ء کی درمیانی رات کو قادیان کے مسلمانوں کے اہم ترین معاون حاجی عبدالغنی (رئیس بٹالہ و صدر مجلس احرار اسلام گورداس پور) کو شہید کر دیا۔ اُن کی شہادت پر ہندوستان بھر میں شدید احتجاج کیا گیا۔

جولائی ۱۹۴۴ء میں قادیان کی باسی کڑاہی میں پھر اُبال آیا اور مرزا بشیر الدین نے مجلس احرار کے رہنماؤں کو قادیان میں آنے کا چیلنج دیا، جس پر مجلس احرار نے ۲۷ تا ۲۹ر اکتوبر ۱۹۴۴ء کو قادیان میں احرار کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ مرزا بشیر الدین کو یقین تھا کہ احرار چونکہ انگریز سے آزادی کی فیصلہ کن لڑائی لڑنے میں مصروف ہیں اور اُس کے بیشتر رہنما اور کارکن قید و بند کی صعوبتوں سے گزر رہے ہیں، لہٰذا احرار اُن کا چیلنج قبول نہیں کریں گے، لیکن یہ مرزا بشیر الدین کی بھول تھی۔ احرار مصائب و آلام سے گزرنے کے باوجود تحفظ ختم نبوت کے محاذ سے غافل نہیں تھے۔ جب احرار نے حالات کی سختی کے باوجود چیلنج قبول کرتے ہوئے احرار کانفرنس قادیان کا اعلان کیا تو مرزا بشیر الدین کے اوسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطا ہوگئے اور وہ معبودانِ فرنگ کی چوکھٹ پر سربسجود ہوکر اُحرار کانفرنس رکوانے کے لیے آہ وزاریاں کرنے لگے، جس پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداس پور نے ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو قادیان اور اُس کے نواح کے دس میل کے علاقے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے اجتماعات پر پابندی عائد کردی۔ جس پر مجلس احرار نے کانفرنس کی متعینہ تواریخ ۲۷ تا ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو ہندوستان کے مختلف شہروں میں اپنے اجتماعات میں اس حکومتی اقدام پر احتجاج کیا اور حکومت کی قادیانیت نوازی کی شدید مخالفت کی۔

مجلس احرار کی اس تحریک کی بدولت قادیان کے مسلمانوں میں قادیانی غنڈوں کے سامنے کھڑا ہونے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ قادیانی رعب ودبدبہ کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔ قادیان میں مسجد احرار اور دینی مدرسہ جامعہ محمدیہ کے قیام سے مسلمانوں کی اولادیں دینی تعلیم اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت سے روشناس ہوئیں۔ قادیانی ارتدادی تبلیغ کا ریلا رک گیا۔ احرار نے قادیان میں کھڈیاں قائم کیں۔ جس سے غریب مسلمان قادیانی معاشی تسلط سے کافی حد تک آزاد ہوگئے۔ مجلس احرار اسلام نے قادیانیوں کی سیاسی اصلیت کو الم نشرح کیا اور ہندوستان کے گلی، کوچوں میں قادیانیوں کی شاطرانہ چالوں اور سامراجی وفاداری کے قصے عام ہوتے گئے۔ مجلس احرار کی ایسی ہی سرفروشانہ جدوجہد کے صلے میں ناموسِ رسالت کا تحفظ ہوا اور قادیانی عوام الناس میں ایک گالی ہوکر رہ گئے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء:

قیامِ پاکستان کی تحریک آخری مراحل میں تھی، لیکن قادیانی اُس کی راہ میں مسلسل روڑے اٹکا رہے تھے۔ اکھنڈ بھارت کے قادیانی منصوبے باؤنڈری کمیشن میں عیاں ہوگئے۔ سرظفر اللہ خان نے باؤنڈری کمیشن کی کارروائی کے دوران ایسا گھناؤنا کھیل کھیلا کہ علاقوں کی غیر منصفانہ تقسیم سے کشمیر دولخت ہوگیا، جس کی بدولت ہندوستان آج بھی ہمارے دریاؤں کے پانی روک لینے کی قوت رکھتا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد مرزا بشیر الدین محمود نے رتن باغ لاہور میں عارضی رہائش اختیار کی۔ بعد میں پنجاب کے انگریز گورنر سر فرانسس موڈی کی خصوصی مہربانی سے انھیں ۱۹۴۸ء کے آخر میں چنیوٹ کے قریب ۱۰۳۴، ایکڑ اراضی کوڑیوں کے مول الاٹ ہوگئی۔ جسے ظلّی قادیان کی حیثیت سے ”ربوہ“ (اب چناب نگر) کا نام دیا گیا۔ پاکستان میں کمین گاہ میسر آتے ہی مرزا بشیر الدین نے اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھتے ہوئے پاک وہند کی تقسیم کے عارضی ہونے اور دونوں ملکوں کے ایک ہوجانے کے الہامات جاری کیے۔ جب کہ سرظفر اللہ خان کی بطور وزیر خارجہ پاکستان کے تقرر نے قادیانیت کو نہ صرف پاکستان بلکہ وزارتِ خارجہ کے ذریعے بیرونی ممالک میں بھی قدم جمانے کے مواقع میسر کیے۔ مرزا بشیر الدین نے کشمیر اور بلوچستان میں تخریبی سرگرمیوں کو اس قدر تیز کردیا کہ ملکی صورتِ حال انتہائی حساس دکھائی دینے لگی۔ حتیٰ کہ مرزا بشیر الدین نے ۱۹۴۸ء میں کشمیر کو قادیانی صوبہ بنانے کے منصوبہ کا اعلان کردیا۔

مجلس احرار اسلام نے جنوری ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد کے ذریعے جلسۂ عام میں انتخابی سیاست سے دستبرداری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور آئندہ ایک دینی جماعت کی حیثیت سے کام کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ لہٰذا مجلس احرار نے سیاسی امور میں مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کا اعلان کیا۔ نیز ۱۹۵۰ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان اس شرط پر کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ کسی قادیانی کو انتخابات میں ٹکٹ نہیں دے گی، لیکن اس کے باوجود مسلم لیگ نے متعدد سیٹوں پر قادیانیوں کو ٹکٹ دے دیے۔ قادیانی امیدواروں کے خلاف مجلس احرار نے بھرپور مہم چلائی، جس کی بدولت کوئی قادیانی انتخابات میں کامیاب نہ ہوسکا۔ لہٰذا احرار نے اپنی اس کامیابی پر مارچ تا مئی ۱۹۵۱ء پورے ملک میں ”یومِ تشکر“ کے عنوان سے کانفرنسوں کا انعقاد کیا۔ اب مجلس احرار کی تمام تر توجہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور اسلام کی تبلیغ پر صرف ہو رہی تھی۔ جسٹس منیر کے مطابق:

”فروری ۱۹۵۲ء تک احراری، احمدیوں کے خلاف رائے عامہ کو منظّم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔“[۶]

نوزائیدہ مملکتِ پاکستان قادیانی سازشوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ مرزا بشیر الدین کے مختلف شہروں کے پے در پے دورے، حکومتی و سیاسی رہنماؤں سے مذاکرات اور کھلے بندوں قادیانیت کی تبلیغ نے عوام کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے تھے۔ قادیانیوں کی دیدہ دلیری اس حد تک جا پہنچی تھی کہ ۱۷، ۱۸ر مئی ۱۹۵۲ء کو سر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ نے اپنے ہم مسلک قادیانیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اسلام کو ایک سوکھے ہوئے درخت اور قادیانیت کو خدا کے لگائے ہوئے پودے سے تشبیہہ دے کر اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کیا۔ ظفر اللہ خان کی اس دل آزار تقریر نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور عوامی جذبات کا لاوا اُبلنے لگا۔

ان حالات میں مجلس احرار اسلام واحد دینی جماعت تھی، جس نے حالات کی سنگینی کا ادراک کرتے ہوئے کراچی میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کرام کا اجلاس ۳ر جون ۱۹۵۲ء کو کراچی میں طلب کرلیا۔ اس اجلاس کے داعی مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما مولانا لال حسین اختر تھے۔ اجلاس میں حسبِ ذیل تین مطالبات مرتب کیے گئے، جو آگے چل کر تحریک تحفظ ختم نبوت کا منشور ٹھہرے:

(۱)　قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(۲)　چودھری ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ کے عہدے سے سبکدوش کیا جائے۔

(۳)　قادیانیوں کو تمام کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

مذکورہ مطالبات کی منظوری کے لیے ایک آل انڈیا مسلم پارٹیز کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ اجلاس مولانا سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اجلاس میں کنونشن کے انعقاد و انتظام کے لیے گیارہ رہنماؤں مولانا سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، مولانا سلطان احمد، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا لال حسین اختر، الحاج ہاشم گزدر اور مفتی جعفر حسین وغیرہ پر مشتمل ایک بورڈ بنایا گیا۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۵۲ء کو بورڈ کا اجلاس الحاج ہاشم گزدر کے مکان پر ہوا۔ جس میں مختلف اہم جماعتوں کو آل پارٹیز کنونشن میں شمولیت کے لیے دعوت نامے جاری کیے گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی سلسلے میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۱۳ر جولائی ۱۹۵۲ء کو پنجاب میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس برکت علی محمڈن ہال لاہور میں منعقد کی، جس میں صوبہ پنجاب کے جید علماء اور ممتاز مشائخ نے شرکت کی۔ اس کنونشن کا دعوت نامہ احرار رہنما مولانا غلام غوث ہزاروی نے جاری کیا۔ جس کے نیچے حسبِ ذیل شخصیات کے دستخط تھے:

''(۱) مولانا غلام محمد ترنم، صدر جمعیت علمائے پاکستان لاہور (۲) مولانا مفتی محمد حسن صدر جمعیت علماء اسلام پنجاب لاہور (۳) مولانا احمد علی [لاہوری] امیر انجمن خدام الدین لاہور (۴) مولانا محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ مجلس احرار پنجاب ملتان (۵) مولانا سید محمد داؤد غزنوی صدر جمعیت اہل حدیث پنجاب لاہور (۶) مولانا سید نور الحسن بخاری ناظم اعلیٰ تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان لاہور (۷) سید مظفر علی شمسی ایڈیٹر اخبار ''شہید'' و سابق جنرل سیکرٹری تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور۔'' [۷]

کنونشن میں کراچی سے مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی خصوصی شرکت کی۔ کنونشن میں درج ذیل حضرات پر مشتمل ایک مجلس عمل تشکیل دی گئی۔ تاکہ وہ آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دے:

''(۱) مولانا ابوالحسنات محمد احمد (جمعیت علماء پاکستان، صدر) (۲) مولانا امین احسن اصلاحی (جماعتِ اسلامی، نائب صدر) (۳) ماسٹر تاج الدین انصاری (مجلس احرار) (۴) شیخ حسام الدین (مجلس احرار) (۵) مولانا عبدالحلیم قاسمی (جمعیت علمائے اسلام) (۶) مولانا محمد طفیل (جمعیت علماء اسلام) (۷) مولانا محمد بخش مسلم (جمعیت علماء پاکستان) (۸) مولانا غلام محمد ترنم (حزب الاحناف) (۹) مولانا داؤد غزنوی (جمعیت اہل حدیث) (۱۰) مولانا عطاء اللہ حنیف (جمعیت اہل حدیث) (۱۱) مولانا غلام دین (حزب الاحناف) (۱۲) مولانا نصر اللہ خان عزیز (جماعت اسلامی) (۱۳) حافظ کفایت حسین (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ) (۱۴) مولوی نور الحسن بخاری (تنظیم اہل سنت والجماعت) (۱۵) صاحبزادہ فیض الحسن (انجمن سجادہ نشینان پنجاب) (۱۶) مظفر علی شمسی (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ) (۱۷) مولانا عبدالغفار ہزاروی (انجمن سجادہ نشینان پنجاب) (۱۸) علامہ علاء الدین صدیقی (نامزد) (۱۹) مولانا اختر علی خان (نامزد) (۲۰) مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش (نامزد)۔'' [۸]

کنونشن میں مسئلہ قادیانیت پر آخری مشاورت کے لیے ۱۶، ۱۷، ۱۸ر جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں تمام مکاتبِ فکر کے کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ بھی کیا گیا۔

۱۸ر جولائی ۱۹۵۲ء کو مجلس عمل نے اپنے مذکورہ سہ نکاتی مطالبات کی منظوری کے لیے ''یومِ نجات'' منایا۔ مجلس عمل میں شامل جماعتوں کے زیر اہتمام پورے ملک میں جلسے منعقد ہو رہے تھے اور حکومت دھڑا دھڑ گرفتاریوں اور مقدمات کے ذریعے جتنا اِس مسئلہ کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی، اُتنا ہی شیدائیانِ ختم نبوت کے جوش اور جذبات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ۱۸ر جولائی ۱۹۵۲ء کو ملتان میں تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں ہونے والے ایک جلسہ پر سب انسپکٹر تھانہ کُپ ملتان نے پولیس کی نفری کے ہمراہ دھاوا بول دیا اور تشدد کے تمام حربے اس بری طرح آزمائے کہ انسانیت سر پیٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر رہ گئی۔ جس پر ملتان کے غیور عوام نے ایک تاریخی احتجاجی جلوس نکالا اور انسپکٹر مذکورہ کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ جس کے جواب میں پولیس نے جلوس پر بے رحمانہ فائرنگ کر کے چھے افراد کو شہید اور درجنوں کو شدید زخمی کر دیا۔ اس بہیمانہ ظلم نے نہ صرف ملتان بلکہ پورے ملک کو آتشِ جوالہ بنا ڈالا۔ ملتان میں ہڑتال ہوگئی اور ایک لاکھ سے زائد افراد شہداء کے جنازہ میں شامل ہوئے۔ پنجاب مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے بھی اس درندگی کے خلاف قرارداد پاس کی۔ ملتان میں بارہ روز تک ہڑتال رہی، بالآخر مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں کا وفد لاہور سے ملتان آیا، جس نے کشیدگی کو کم کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا۔

۱۶ر اگست ۱۹۵۲ء کو مجلس عمل کے رہنما مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، مظفر علی شمسی اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں ملاقات کی اور قادیانیوں کے متعلق اپنے مطالبات دوہرائے، لیکن وزیر اعظم نے اُن کے مطالبات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا، چنانچہ مجلس عمل نے اپنے مطالبات کی منظوری کے لیے ۱۹ر اگست ۱۹۵۲ء کو ملتان اور ۲۳ر اگست کو لاہور میں جلسہ ہائے عام منعقد کیے۔ مجلس عمل نے صوبہ سرحد، سندھ اور مشرقی بنگال میں بھی عوامی بیداری کی مہم چلانے کے لیے ایک اہم فیصلے کیے۔ ان فیصلوں کی روشنی میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا اور قادیانیوں کے خلاف تقریریوں کے ذریعے طوفان برپا کر دیا۔ منیر انکوائری کمیشن کی رپورٹ کے مطابق:

''اس گرما گرمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمدی بدحواس ہونے لگے اور انھیں اپنا مؤقف بہت دشوار محسوس ہونے لگا۔'' [۹]

مجلس احرار کی تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجے میں جولائی اور اگست ۱۹۵۲ء کے دوران ایک سو پندرہ قادیانیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ [۱۰]

آل پارٹیز مجلس عمل کے فیصلے کے مطابق حکومتی قادیانیت نوازی کے خلاف ۳ر اکتوبر ۱۹۵۲ء بروز جمعہ کو پنجاب میں ''یومِ احتجاج'' منایا گیا۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو مجلس عمل کے مرکزی کنوینر مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے پاکستان کے تمام اہم دینی رہنماؤں اور مذہبی جماعتوں کو ۱۶، ۱۷، ۱۸ر جنوری ۱۹۵۳ء کے کنونشن کے لیے دعوت نامے جاری کیے۔ کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا اجلاس ۱۶ر جنوری ۱۹۵۳ء کو عشاء کے بعد حاجی مولا بخش سومرو کی کوٹھی پر کراچی میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں مشرقی و مغربی پاکستان کے مختلف مکاتبِ فکر کے ڈیڑھ سو سے زائد علماء اور مشائخ نے شرکت فرمائی۔ ۱۷ر جنوری کو مجلس عمل کی سب جیکٹس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ ۱۸ر جنوری ۱۹۵۳ء کو کنونشن کا اہم اجلاس انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں درج ذیل علماء کرام شریک ہوئے:

''(۱) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، صدر جماعت اسلامی لاہور (۲) حاجی محمد امین، امیر جماعت ناجیہ (۳) خلیفہ حاجی ترنگزئی، پشاور (۴) حضرت پیر [ابوصالح محمد جعفر] سرسینہ شریف، امیر حزب اللہ ڈھاکہ، بنگال (۵) مولانا راغب حسن ایم اے، ڈھاکہ (۶) مولانا عزیز الرحمٰن، ناظم حزب اللہ ڈھاکہ (۷) مولانا اطہر علی، ڈھاکہ (۸) مولانا سخاوت الانبیاء، ڈھاکہ (۹) مولانا محمد یوسف بنوری، صدر مدرس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار (۱۰) مولانا شمس الحق وزیر قلات (۱۱) مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی (۱۲) مولانا احمد علی [لاہوری] صدر جمعیت علمائے اسلام شیرانوالہ گیٹ لاہور (۱۳) مولانا (مفتی) محمد حسن، جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (۱۴) مولانا محمد ادریس صدر مدرس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (۱۵) مولانا ظفر احمد عثمانی، سیکرٹری تعلیمات اسلامی بورڈ کراچی (۱۶) مولانا سید سلیمان ندوی، صدر تعلیماتِ اسلامی بورڈ کراچی (۱۷) مولانا محمد شفیع مفتیٔ دیوبند، ممبر تعلیماتِ اسلامی بورڈ کراچی (۱۸) مولانا سلطان احمد، امیر جماعتِ اسلامی کراچی وسندھ (۱۹) مولانا مفتی صاحب داد خان مدرس عربی، سندھ مدرسہ کراچی (۲۰) مولانا عبدالحامد بدایونی، صدر جمعیت علماء کراچی (۲۱) مولانا محمد یوسف کلکتوی، صدر جمعیت اہل حدیث کراچی (۲۲) مولانا محمد اسماعیل، ناظم جمعیت اہل حدیث (۲۳) مولوی محمد علی جالندھری، جنرل سیکرٹری مجلس احرار پنجاب ملتان (۲۵) مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری امیر شریعت (۲۶) مولانا متین، ناظم جمعیت علماء اسلام کراچی (۲۷) مولانا احتشام الحق تھانوی، کنوینز آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کراچی (۲۸) مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، صدر جمعیت علماء پاکستان وصدر مجلس عمل۔'' [۱۱]

اجلاس کے اختتام پر درج ذیل تاریخی قراردادوں کی متفقہ منظوری دی گئی:

''(۱) چونکہ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کے رویے کے پیش نظر اس امر کی کوئی امید نہیں کہ مرزائیوں کے متعلق مطالبات تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اس لیے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ان حالات میں مطالبات کو تسلیم کرانے کی غرض سے راست اقدام ناگزیر ہو گیا ہے۔

(۲) چونکہ حکومت مرزائیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس لیے ایسی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ فرقۂ مرزائیہ کو ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیا جائے۔ ان تدابیر میں سے ایک یہ ہے کہ اس فرقے سے مکمل مقاطعہ کیا جائے۔

(۳) چونکہ مرزائی وزیر خارجہ چودھری ظفر اللہ خان کی برطرفی کا مطالبہ اب تک منظور نہیں کیا گیا، اس لیے کنونشن خواجہ ناظم الدین سے استعفے کا مطالبہ کرتی ہے۔ تاکہ مسلمانانِ پاکستان اپنے دینی عقائد پر عمل کرنے اور اسلامی روایات کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

(۴) مذکورہ بالا مطالبات کو عملی صورت دینے کی غرض سے کنونشن تجویز کرتی ہے کہ وہ معزز ومقتدر مسلمانوں اور مختلف مذہبی جماعتوں کے نمائندوں کو جنرل کونسل کا ممبر بنائے۔

(۵) جنرل کونسل اپنے پندرہ ممبروں کو منتخب کرے جو مجلس عمل کے ممبر قرار پائیں۔'' [۱۲]

اجلاس کے آخر میں مجلس عمل کے رہنماؤں نے اپنا ایک چار رکنی وفد خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کے لیے نامزد کیا۔ وفد کے اراکین یہ تھے: **رئیسِ وفد:** مولانا عبدالحامد بدایونی، **ممبران:** پیر ابوصالح محمد جعفر سرسینہ شریف، سید مظفر علی شمسی، ادارہ تحفظ حقوق شیعہ لاہور، ماسٹر تاج الدین انصاری، صدر مجلس احرار۔ [۱۳]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وفد نے خواجہ ناظم الدین سے ۲۲ رجنوری ۱۹۵۳ء کو ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ظفر اللہ خان کے سوا تمام ممبرانِ کابینہ بھی شریک تھے۔ مذاکرات کے دوران مجلس عمل کے وفد نے آل پارٹیز مسلم کنونشن کی قراردادوں اور مطالبات کی منظوری کے لیے ایک ماہ کا نوٹس دیا۔ جس پر خواجہ ناظم الدین نے مطالبات کی منظوری سے قاصر ہونے کا عذر کیا اور کہا کہ اگر میں قادیانیوں کے خلاف آپ کا مطالبہ مان لوں تو امریکہ ہمیں ایک دانہ گندم کا نہیں دے گا۔

مجلس عمل کے وفد کی کراچی سے واپسی کے بعد ملک کے تمام بڑے شہروں سمیت گاؤں اور قصبوں میں بھی تحفظ ختم نبوت کے لیے اجتماعات کا تانتا بندھ گیا۔ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کے مطابق:

> ''۶ رمارچ ۱۹۵۳ء سے پہلے صوبے بھر (پنجاب) میں ۳۹۰ جلسے منعقد ہوئے۔ جن میں سے ۱۶۷، ایسے تھے جن کا اہتمام خالصتاً احراریوں نے کیا تھا۔ سید مظفر علی شمسی، شیخ حسام الدین، صاحبزادہ فیض الحسن، ماسٹر تاج الدین انصاری اور محمد علی جالندھری نے جو مجلس احرار کے ممتاز ممبر تھے، اپنے آپ کو اس تحریک کا دائمی مبلغ بنا دیا۔'' [۱۴]

مجلس عمل کی جانب سے حکومت کو دیے جانے والے تیس روزہ الٹی میٹم کے ایام تیزی سے ختم ہو رہے تھے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت اپنے جوبن پر پہنچ چکی تھی۔ عوام ختم نبوت کے تحفظ کے لیے دیوانہ وار احرار کی آواز پر لبیک کہہ رہے تھے۔ ۱۶ رفروری ۱۹۵۳ء کو خواجہ ناظم الدین کے سرگودھا اور اُسی شام لاہور آنے کی خبر آئی تو مجلس عمل نے اُن کی آمد پر سرگودھا میں ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ وزیراعظم پر واضح ہو سکے کہ تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ محض احراریوں اور علماء کرام کا ہی پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ یہ تمام عامتہ المسلمین کا متفقہ مسئلہ اور اُن کے ایمان کا بنیادی تقاضا بھی ہے، چنانچہ مجلس عمل کی اپیل پر سرگودھا اور لاہور میں وزیراعظم کی آمد پر مکمل ہڑتال کی گئی اور اسی روز دہلی دروازہ لاہور میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں آخری تقریر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمائی۔ اسی اجتماع میں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان پیرانہ سالی اور نقاہت و بیماری کے باوجود تشریف لائے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو دورانِ تقریر کسی نے خواجہ ناظم الدین کے لاہور پہنچ جانے کی اطلاع دی تو شاہ جی نے فرمایا:

> ''جاؤ! میری اِس ٹوپی کو خواجہ ناظم الدین کے پاس لے جاؤ۔ میری یہ ٹوپی کسی کے سامنے نہیں جھکی۔ اِسے خواجہ صاحب کے قدموں میں ڈال دو۔ اور اُس سے کہہ دو کہ ہم تجھ سے اقتدار نہیں چھینیں گے۔ ہاں، ہاں، جاؤ، اور میری ٹوپی اس کے قدموں میں ڈال کر یہ بھی کہو کہ عطاء اللہ شاہ بخاری تیرے سؤروں کا ریوڑ بھی چرانے کے لیے تیار ہے، مگر شرط یہ ہے کہ تو حضور فداہ اَبی واُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم رسالت کی حفاظت کا قانون بنا دے کہ کوئی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستارِ ختم نبوت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔''

جلسہ کے اختتام پر شاہ جی کی ہی تجویز پر مجلس عمل کے ایک وفد نے خواجہ ناظم الدین سے یہ دریافت کرنے کے لیے ملاقات کی کہ وہ مجلس عمل کے مطالبات کے متعلق کیا رویہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن وزیراعظم نے حسبِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سابق واضح کیا کہ اُن کے مطالبات تسلیم نہیں کیے جاسکتے۔ اس ملاقات نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ اب حکومت اور مجلس عمل کے مابین مصالحت کا کوئی امکان باقی نہیں ہے۔

الٹی میٹم کی مدت ختم ہوتے ہی مجلس عمل کے رہنماؤں کی کراچی تشریف آوری شروع ہوگئی۔ ۲۰ رفروری کو مجلس عمل کا ایک وفد وزیر اعلیٰ پنجاب سے ملا، جب کہ ۲۱ رفروری ۱۹۵۳ء کو الٹی میٹم کی ایک ماہ کی مدت گزرنے پر اتمام حجت کے لیے آخری مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی ، مولانا احتشام الحق تھانوی، مفتی محمد شفیع ،مولانا اختر علی خان اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں ملاقات کی۔ اس ملاقات میں مجلس عمل کے مطالبات دوہرائے گئے ،لیکن خواجہ ناظم الدین نے اُن پر کان نہ دھرا۔ ۲۴، ۲۵، ۲۶ رفروری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل نے آرام باغ کراچی میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ ۲۴ رفروری کے اجلاس کی صدارت مولانا ابوالحسنات قادری نے کی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، صاحبزادہ فیض الحسن، سید مظفر علی شمسی، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے تقریر فرمائی۔ اس اجلاس میں رہنماؤں نے عوام کو حکومتی رویے سمیت تمام حالات سے آگاہ کیا، نیز تمام مقررین نے مجلس عمل کے مطالبات کی منظوری کی اپیل کی۔ ۲۵ رفروری کو سید مظفر علی شمسی اور صاحبزادہ سید فیض الحسن نے خطاب کیا۔

۲۵ رفروری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل کا فیصلہ کن اجلاس کراچی میں مولانا ابوالحسنات قادری کی زیر صدارت منعقد ہوا، جس میں مندرجہ ذیل زعمائے کرام نے شرکت کی:

> ''ماسٹر تاج الدین انصاری، صاحبزادہ فیض الحسن ،سید نور الحسن بخاری، مولانا سلطان احمد امیر جماعت اسلامی سندھ وکراچی، مولانا سید ابوالحسنات احمد قادری ، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا احتشام الحق تھانوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد یوسف کلکتوی، سید مظفر علی شمسی۔'' [۱۵]

اس اجلاس میں اس مفہوم کی ایک قرارداد بھی منظور کی گئی کہ:

> ''۱۸ رجنوری کی کنونشن میں مرکزی حکومت کو جو نوٹس دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ وہ چونکہ مجلس عمل کے ایک وفد نے اس حکومت کے حوالے کر دیا تھا اور ۲۲ رفروری کو اس نوٹس کی میعاد ختم ہوگئی ہے۔ بلکہ مزید چار دن بھی گزر چکے ہیں۔ اس لیے اب پُر امن راست اقدام کی شکل کا فیصلہ کیا جانا ضروری ہے۔ راست اقدام کی شکل کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ پانچ رضا کار جو ایسے جھنڈے اٹھائے ہوئے ہوں گے، جن پر مطالبات ثبت ہوں گے۔ شارع عام پر سے نہیں بلکہ چھوٹی سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے وزیر اعظم کی کوٹھی پر جائیں گے۔ اگر وہاں سنتری ان رضا کاروں کو روکے گا تو وہ اس سے کہیں گے کہ وہ وزیر اعظم کی خدمت میں مطالبات پیش کرنے اور اُن کو تسلیم کرنے کی درخواست کرنے آئے ہیں اور وہ اسی صورت میں واپس جائیں گے کہ وزیر اعظم ان مطالبات کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دیں۔ اگر یہ رضا کار گرفتار کر لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں گے تو مجلس عمل پانچ رضا کاروں کا ایک اور دستہ بھیج دے گی اور یہ سلسلہ پُر امن طریقے سے اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک مطالبات تسلیم نہ کیے جائیں گے۔ گورنر جنرل کی کوٹھی پر بھی اسی قسم کا پہرہ لگایا جائے گا۔ تا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ اس تحریک کا رُخ خواجہ ناظم الدین کی طرف محض اس لیے ہے کہ وہ بنگالی ہیں۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد اس متبرک تحریک کے ڈکٹیٹر مقرر کیے گئے اور انھیں گرفتاری کی صورت میں اپنے جانشین کی نامزدگی کا اختیار دیا گیا۔ یہ بھی قرار دیا گیا کہ اسی دن شام کو آرام باغ میں جو جلسہ عام ہو رہا ہے، اس میں عوام کو یہ مشورہ دیا جائے کہ وہ حسبِ معمول اپنے کاروبار میں مصروف رہیں اور رضا کاروں کے ساتھ نہ جائیں۔'' [۱۶]

۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کے اجلاس کا آغاز مولانا عبدالرحیم جوہر جہلمی کی ولولہ انگیز نظم سے ہوا۔ مولانا ابوالحسنات بھی نقاہت کے باوجود شریک ہوئے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا محمد علی جالندھری اور سید مظفر علی شمسی نے تقاریر فرمائیں اور حکومت پر واضح کیا کہ وہ حکومت سے الجھنے کے لیے کراچی نہیں آئے، بلکہ وہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے پوری قوم کے متفقہ مطالبات کی منظوری چاہتے ہیں۔

راست اقدام:

مجلس عمل حکومتی سرد مہری اور اُس کی مکمل جانبدارانہ پالیسی سے مایوس ہو کر راست اقدام (ڈائریکٹ ایکشن) کا فیصلہ کر چکی تھی۔ سول نافرمانی کی تیاری مکمل تھی۔ جب حکومت پنجاب کے نمائندے ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو لاہور واپس پہنچے تو وزیر اعلیٰ پنجاب کی نگرانی میں انٹیلی جنس اور انتظامی اداروں کے حکام کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ:

''احراریوں کے تمام سرگرم کارکن اور دوسرے افراد جو ڈائریکٹ ایکشن کی حمایت کے ذمہ دار ہیں، آج رات صوبہ بھر میں گرفتار کر لیے جائیں۔'' [۱۷]

گویا حکومت نے پُر امن احتجاج کو بزورِ قوت کچل دینے کے فیصلے پر عمل درآمد کا آغاز کر دیا۔ ۲۶، ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کو دفتر احرار کراچی پر بھی چھاپہ مار کر مجلس عمل کے رہنماؤں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالحسنات قادری، صاحبزادہ فیض الحسن، مولانا عبدالرحیم جوہر جہلمی، نیاز لدھیانوی، مولانا لال حسین اختر، اسد نواز ایڈیٹر ''حکومت''، تاج الدین انصاری اور مولانا عبدالحامد بدایونی کو گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت کے اس جارحانہ اقدام سے کراچی کے مسلمانوں نے عام ہڑتال کر دی۔ جس پر بڑی تعداد میں گرفتاریاں عمل میں لائی جانے لگیں۔

اگرچہ پنجاب میں بھی حکومتِ پنجاب کے فیصلے کے مطابق گرفتاریاں جاری تھیں، مگر جونہی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مجلس عمل کے دیگر رہنماؤں کی کراچی میں گرفتاری کی خبر لاہور پہنچی تو لوگوں کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ احتجاجی جلسوں، جلوسوں اور ہڑتالوں کے ملک گیر سلسلہ کا آغاز ہو گیا۔

لاہور میں ۲۲ فروری سے ہی رضا کاروں کی بھرتی کے لیے مجلس احرار اسلام کے سالار چودھری معراج الدینؒ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے کیمپ کھول رکھا تھا۔ جہاں لوگ آتے اور کیمپ میں اپنے ناموں کا اندراج کراتے۔ ۲۷ر فروری ۱۹۵۳ء کو تحریکِ ختم نبوت میں شمولیت وگرفتاری کے لیے عوام کی ایک بڑی تعداد نے اپنے نام لکھوائے۔ یہ کام ابھی جاری تھا کہ مجلس عمل کے رہنماؤں کی کراچی میں گرفتاری کی خبر موصول ہوگئی، جس پر عوام کے جذبات کو کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا۔ منٹوں میں یہ خبر لاہور سے ہوتی ہوئی ملحقہ اضلاع گوجرانوالہ، سیالکوٹ، شیخوپورہ اور فیصل آباد وغیرہ میں پھیل گئی، مگر تحریک کے رہنماؤں نے حالات اور جذبات کو قابو میں رکھا، لیکن حکومت کے ناروا سلوک نے عوام کو مشتعل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ۲۸ر فروری ۱۹۵۳ء کو دفتر احرار لاہور کے باہر قائم رضا کاروں کے کیمپ پر پولیس نے چھاپہ مار کر تمام سامان ضبط کرلیا۔ ان حالات کے پیش نظر مرکزی رہنماؤں مولانا احمد علی لاہوری، مولانا عبدالستار نیازی، مولانا بہاء الحق قاسمی، مولانا محمد طفیل اور مولانا خلیل احمد قادری پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی گئی اور اسے کسی بھی مناسب اقدام کے کرنے کا اختیار سونپ دیا گیا۔ کمیٹی کے کنوینز مولانا خلیل احمد قادری بنائے گئے۔ کمیٹی نے احرار پارک، دہلی دروازہ میں جلسۂ عام کا فیصلہ کیا اور یہ بھی طے پایا کہ لاہور مجلس عمل کی جانب سے گرفتاری پیش کرنے کے لیے پچیس رضا کاروں کا دستہ گورنمنٹ ہاؤس کی طرف مولانا غلام دین کی قیادت میں روانہ کیا جائے۔ چنانچہ رضا کاروں کا ایک دستہ ایک لاکھ افراد کے جلوس کے ہمراہ دہلی دروازہ سے چیئرنگ کراس تک پہنچا۔ جہاں جلوس کو پولیس نے روک دیا۔ جہاں مولانا غلام دین نے رضا کاروں کے ہمراہ گرفتاری دے دی۔ جہاں مولانا غلام دین نے رضا کاروں کے ہمراہ گرفتاری دے دی۔ رضا کاروں کی بھرتی فراہم کرنے والے احرار رہنما سالار معراج الدین کو بھی اسی دوران حراست میں لے لیا گیا۔ اُن کی گرفتاری کے بعد احرار کے سالار محمد حسین بٹ اور سالار سعید اقبال وغیرہ نے بھرتی کے کام کو سنبھال لیا۔

یکم مارچ ۱۹۵۳ء کو مولانا احمد علی لاہوریؒ نے دفتر احرار لاہور کے سامنے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا اور رضا کاروں کے جتھے کے ہمراہ گورنمنٹ ہاؤس جانے کا فیصلہ کیا۔ اُن کے جلوس کو ابتداء میں ہی روک کر مولانا احمد علی لاہوریؒ کو بتیس رضا کاروں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ ایک دوسرے جلوس کو ہائیکورٹ کے قریب روک کر اُنیس افراد کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ اُسی روز تیسرا جلوس مال روڈ پر برآمد ہوا جہاں پر تیئیس افراد نے گرفتاری دی۔ چوتھا بڑا جلوس دفتر احرار سے گورنمنٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہوا، لیکن اُسے چیئرنگ کراس پر روک دیا گیا، جہاں بڑی تعداد میں رضا کاروں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ جنھیں ٹرکوں میں سوار کر کے لاہور سے میلوں دور چھوڑ دیا گیا۔

مجلس عمل کے رہنماؤں نے اپنی حکمتِ عملی کے تحت تحریک کا ہیڈ کوارٹر احرار پارک بیرون دہلی دروازہ سے مسجد وزیر خان منتقل کرلیا۔ ۲ر مارچ ۱۹۵۳ء کو مولانا اختر علی خان مسجد وزیر خان سے دس ہزار افراد کا جلوس لے کر نکلے تو چیئرنگ کراس پر پولیس نے جلوس کو روک کر اُس پر شدید لاٹھی چارج کیا، جس سے عوام کی بڑی تعداد زخمی ہوئی اور ایک سو کے لگ بھگ رضا کاروں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اس تشدد کے دوران جلوس کے شرکاء بپھر گئے اور ردّ عمل میں پولیس کے گیارہ افسر بھی زخمی ہوگئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک کے دیگر حصوں میں بھی اگرچہ تحریک ختم نبوت اپنے عروج پر تھی، لیکن لاہور تحریک کا مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے منفرد حیثیت رکھتا تھا اور وہاں تحریک تشدد کے باوجود شدت اختیار کرتی جارہی تھی، جس کی تاب نہ لاکر حکومتِ پنجاب اور پولیس افسران نے فوج کوطلب کرنے کی بابت فیصلے کیے۔ ۳/ مارچ ۱۹۵۳ء کو فوج جناح گارڈن میں پہنچ گئی اور عملاً شہر کرفیو کی زد میں آ گیا۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باوجود جلوس نکلتے رہے اور سیکڑوں رضا کاروں کو گرفتار کرلیا گیا۔

۴/ مارچ ۱۹۵۳ء کو دیگر شہروں سے بھی رضا کاروں کے ان گنت جتھے لاہور پہنچنے لگے، جنھیں ریلوے سٹیشن اور مختلف راستوں سے گرفتار کیا جانے لگا۔ اُسی روز رضا کاروں کا ایک پُر امن جلوس چوک دالگراں کے راستے ریلوے سٹیشن جانے کے لیے روانہ ہوا، لیکن چوک دالگراں میں ہی پولیس نے جلوس کا راستہ روک کر اندھا دھند لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ پولیس گردی کی انتہا کر دی گئی، مگر ختم نبوت کے پروانے جان کی بازی لگا کر آئے تھے۔ اُن کے منتشر ہونے سے انکار پر پولیس نے ایک ایک رضا کار کو بے تحاشا پیٹا اور انھیں گھسیٹ گھسیٹ کر ٹرکوں میں پھینکتے رہے۔ ایک بوڑھے رضا کار کے گلے میں قرآن مجید لٹک رہا تھا۔ ڈی ایس پی فردوس شاہ نے اُس معمر شخص کو زدوکوب کیا تو قرآن مجید زمین پر گر گیا۔ جس پر فردوس شاہ نے (نعوذ باللہ) قرآن مجید کو پاؤں سے ٹھوکریں ماریں۔ قرآن مجید کی توہین کے اس واقعہ نے پورے شہر میں غم وغصہ کی لہر دوڑا دی۔ مختصر یہ کہ جب ڈی ایس پی فردوس شاہ طاقت کے نشے میں مسجد وزیر خان پہنچا تو عوام فردوس شاہ کو دیکھتے ہی مشتعل ہوگئے اور قرآن پاک کی توہین کے بدلے میں اُس کے جسم کے پرخچے اڑا دیے۔

لاہور میں کرفیو کے باوجود جلوس نکل رہے تھے۔ پولیس ختم نبوت زندہ باد کہنے کے جرم میں عاشقانِ رسول پر گولیاں اور ڈنڈے برسا رہی تھی۔ سارا دن گولیوں کی برسات رہی اور ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے سینوں پر گولیاں کھا کر ناموسِ رسالت کے لیے جانیں وارتے رہے۔

۵/ مارچ ۱۹۵۳ء کو گوالمنڈی لاہور میں پولیس کے دو افسروں نے مسلسل فائرنگ کر کے بے حساب افراد کو شہید کر دیا۔ جس سے عوام کے جذبات مزید بھڑکے اور سول نافرمانی بغاوت میں بدلتے صاف دکھائی دینے لگی۔ پورے شہر میں شہدائے ختم نبوت کے پاک جسموں کے ڈھیر لگ چکے تھے، جنھیں ٹرکوں میں لاد کر چھانگا مانگا کے جنگل میں اجتماعی قبریں کھود کر ڈال دیا جاتا اور اُن کے اوپر تیل چھڑک کر آگ لگا دی جاتی تھی، تاکہ شہیدانِ عشقِ رسالت کا نام ونشان مٹ جائے، لیکن ان ہلاکوؤں اور چنگیزوں کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ جاں نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ انھیں کیا خبر تھی کہ ان بے گناہوں کا خونِ مقدس کتنی جلدی رنگ لائے گا اور سنگ دل قاتل بے نام ونشاں ہو کر خاک میں مل جائیں گے۔

لاہور کی تاریخ کا یہ نازک ترین دور تھا۔ جب پابندیاں، تعزیریں، ظلم وتشدد اور گولیاں بھی احرار رضا کاروں اور تحفظِ ختم نبوت کے مجاہدوں کے متلاطم جذبات کے آگے بند باندھنے میں کُلی طور پر ناکام ہورہی تھیں۔ سیکرٹریٹ کے ملازمین نے احتجاجاً کام چھوڑ دیا۔ بجلی کے محکمے نے ہڑتال کی دھمکی دے دی۔ ٹیلی گراف آفس اور ایکسچینج کے ملازموں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہڑتال کردی، تعلیمی اداروں کے طلباء بھی تحریک کا ہراول دستہ بن گئے۔ الغرض پوری قوم سراپائے احتجاج تھی اور قومی یک جہتی نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا تھا کہ ختم نبوت کا مسئلہ احراری، قادیانی تنازع نہیں، بلکہ جناب نبی کریم علیہ السلام کے ناموس کے تحفظ کا مسئلہ ہے جو ہر مسلمان کی رگِ جان ہے۔

لاہور عملاً انتظامیہ کی گرفت سے نکل چکا تھا۔ لوگ مشتعل تھے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں اگر اُمتِ مسلمہ کے مسلّمہ عقائد کا احترام کرتے ہوئے اُن کے متفقہ مطالبات کو تسلیم کر کے رائے عامہ کا پاس کیا جاتا تو حالات کو بآسانی قابو میں کیا جاسکتا تھا، لیکن فرعونی قوت اور اقتدار کے نشے میں بدمست غدارِ قوم و وطن میر صادق کا حقیقی پڑپوتا سکندر مرزا (ڈیفنس سیکرٹری) کا کہنا تھا کہ ''مجھے یہ نہ بتاؤ کہ فلاں جگہ ہنگامہ فرو ہوگیا، فلاں جگہ مظاہرہ ختم کر دیا گیا، مجھے یہ بتاؤ، وہاں کتنی لاشیں بچھائی گئی ہیں، کوئی گولی بیکار تو نہیں گئی۔'' غرض ایسے ہی بدبختوں کے اشارے پر لاشوں کے انبار لگ رہے تھے اور ہزاروں کارکنوں کو رہنماؤں سمیت جیلوں میں وحشیانہ تشدد سے دوچار کیا جا رہا تھا۔ پُرامن تحریک کو پُرتشدد تحریک کی راہ دکھائی جا رہی تھی۔

۶/ مارچ کو جنرل اعظم خان نے لاہور میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ مسجد وزیر خان تحریک کا مرکز تھی۔ جہاں مارشل لا کے ہوتے ہوئے بھی تحریک زندہ تھی۔ مارشل لا کے دو دن بعد فوج نے مسجد کا محاصرہ کر لیا، مگر مقررین خفیہ راستوں سے مسجد میں آ کر خطاب کرتے اور فوج کی آنکھوں میں دھول جھونک کر واپس چلے جاتے تھے۔ جس سے تحریک میں مزید تیزی آ رہی تھی۔ یہ صورت حال پولیس اور فوج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ مسجد کی بجلی کاٹ دی گئی اور پانی کی فراہمی بند کر دی گئی تو مسجد میں محصور مجلس عمل کے رہنماؤں اور رضا کاروں نے جب یہ محسوس کیا کہ پولیس اور فوج اُن کی جانیں لیے بغیر نہیں ٹلیں گے تو انھوں نے خون خرابہ سے بچنے کے لیے انھوں نے فیصلہ کیا کہ پانچ، پانچ رضا کار مسجد سے باہر جا کر گرفتاری دے دیں۔ اس طرح تمام رضا کاروں نے پُرامن انداز میں گرفتاری دے دی۔ بعد ازاں مجلس عمل کے رہنما مولانا خلیل احمد قادری، مولانا بہاء الحق قاسمی اور مولانا عبدالستار نیازی بھی گرفتار کر لیے گئے۔

فوج اور پولیس کے ظلم و تشدد کا اندازہ کیجیے کہ اُن کے ہاتھوں تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران دس ہزار سے زائد فرزندانِ اسلام نبی علیہ السلام کی ختم نبوت کی حفاظت کے جرم میں خاک و خون میں نہلا دیئے گئے اور ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو جیلوں میں ٹھونس کر پولیس کے درندوں کے آگے ڈال دیا گیا۔

تحریک کے خاتمے پر حکومت نے تحقیقات کے لیے ایک عدالتی انکوائری کمیشن قائم کیا۔ جس کے صدر جسٹس محمد منیر اور رُکن جسٹس محمد رستم کیانی تھے۔ اس تحقیقات میں درج ذیل ادارے شامل کیے گئے:

''(۱) حکومتِ پنجاب (۲) صوبہ مسلم لیگ (۳) مجلس احرار (۴) مجلس عمل (۵) جماعتِ اسلامی

(۶) صدر انجمن احمدیہ ربوہ (۷) احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔''[۱۸]

مجلس احرار اسلام کی طرف سے مولانا مظہر علی اظہر بحیثیتِ وکیل انکوائری کمیشن کے سامنے پیش ہوئے اور مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد علی جالندھری نے (بحیثیت جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام پنجاب) کمیشن کو مجلس احرار اسلام کا تحریری مؤقف جمع کرایا۔
[۱۹] یہ الگ بات ہے کہ جسٹس منیر نے اپنی رپورٹ میں قادیانیوں کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے مجلس احرار اسلام کا گوشت چورا ہے میں لٹکا لٹکا دیا اور اس رپورٹ میں اسلام دشمن خرافات کا ملغوبہ جمع کر کے دشمنانِ اسلام کی خوشی کا سامان میسر کیا۔

اگر چہ تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت کو ریاستی جبر وقوت کے بل بوتے پر کچل دیا گیا اور قادیانیوں کو مکمل تحفظ کے ساتھ کلیدی آسامیوں پر برقرار رکھ کر قوم وملک کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا گیا، لیکن آنے والے عہد نے شہدائے ختم نبوت کی صداقت، بے غرضی، اخلاص اور جرأتِ بے پناہ کو سلام پیش کیا۔ اُن کا خونِ بے گناہی رنگ لایا اور جن تین مطالبات کی منظوری کے لیے انھوں نے اپنی ناتواں جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ ایک ایک کر کے وہ تینوں مطالبات کافی حد تک پورے ہو گئے۔ سرظفر اللہ خان کو وزارتِ خارجہ سے ہاتھ دھونا پڑے اور پھر ساری زندگی وہ اقتدار کو ترستا رہا۔ قادیانی غیر مسلم اقلیت ہو گئے۔ اگر چہ کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کی مکمل برطرفی عمل میں نہیں آئی، لیکن یہ شہدائے ختم نبوت کے مقدس خون کا ہی صدقہ ہے کہ اب قادیانیوں کی سرکاری محکموں میں وہ حیثیت باقی نہیں رہی ہے جو انھیں قیامِ پاکستان سے ۱۹۵۳ء تک کے دورانیے میں حاصل ہو گئی تھی۔ مجلس احرار اسلام کو مٹانے کے لیے حکومت اور قادیانی یکجان ہو گئے تھے، لیکن اللہ کے فضل وکرم سے مجلس احرار اسلام اب بھی پوری تندہی سے سرگرم عمل ہے اور قادیانیت کی سرکوبی کے لیے پاک وہند میں مصروفِ کار ہے۔

تحریک تحفظ ختم نبوت کے سرخیل رہنمایانِ احرار تھے۔ جب منیر انکوائری کمیشن کے سامنے بعض جماعتوں کے کوتاہ دل لیڈروں نے حکومت کے رعب اور قادیانیوں کی دہشت کے خوف سے یہ سفید جھوٹ بولا کہ وہ اس تحریک میں شامل ہی نہیں تھے اور نہ ہی وہ تحریک کے ذمہ دار ہیں تو اُن کی اس دیدہ دلیری اور کذب بیانی نے شہدائے ختم نبوت کے ورثا کے دل ودماغ کو ہلا ڈالا۔ جس پر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کمال بے خوفی کے ساتھ میدانِ عمل میں نکلے اور خیبر سے کراچی تک کے جلسہ ہائے عام میں شہدائے ختم نبوت کے خون کی ذمہ داری کو قبول کیا اور اُن گندم نما جوفروش رہنماؤں کی اس نامناسب روش کے پیشِ نظر دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ:

> ''جو لوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے، اُن کے خون کا جوابدہ میں ہوں۔ وہ عشقِ رسالت میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اُن میں جذبۂ شہادت میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ اُن کے خون سے دامن بچانا چاہتے ہیں اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں۔ ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا۔ وہ عشقِ نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ ہو گئے، لیکن ختم نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی سات ہزار حافظِ قرآن اس مسئلے کی خاطر شہید کرا دیے تھے۔'' [۲۰]

آغا شورش کاشمیریؒ نے تحریک ختم نبوت کے ضمن میں مجلس احرار کی خدمات کے متعلق تحریر کیا تھا کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''بہرحال ختم نبوت کی تحریک احرار کی انتھک جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ انھوں نے اسلام کے بنیادی مسئلے پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو یکجا کیا اور ایک ایسی تحریک کی نیو اُٹھائی جو اُس وقت کے لادین وزراء اور عیاش افسروں کے ستم کا شکار ہوگئی، لیکن مسلمانوں کے دل و دماغ میں ہمیشہ کے لیے قادیانیت سے تنفر راسخ ہوگیا۔ فی الجملہ احرار کے اس امتیاز کو سلب کرنا ناممکن ہے کہ وہ اس تحریک کے سرخیل تھے۔[۲۱]

حواشی

(۱) انٹرویو مولانا سید انظر شاہ کشمیری، روزنامہ ''جنگ'' میگزین، ۱۸ر جولائی ۱۹۸۴ء

(۲) عزیز الرحمٰن جامعی، ''رئیس الاحرار''، تعلیمی سماجی مرکز، چاندنی چوک دہلی، ۱۹۶۱ء، ص ۱۵۸

(۳) قدرت اللہ شہاب، ''شہاب نامہ''، جنگ پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص

(۴) روزنامہ ''انقلاب'' لاہور، ۱۲ر اگست ۱۹۳۱ء

(۵) جانباز مرزا، ''کاروانِ احرار'' (جلد دوم)، مکتبہ تبصرہ لاہور، جون ۱۹۷۷ء، ص ۵۵

(۶) ''رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء''، حکومتِ پنجاب، ۱۹۵۴ء، ص ۱۷۴

(۷) ایضاً، ص ۸۱

(۸) ایضاً، ص مذکورہ بالا

(۹) ایضاً، ص ۱۱۲

(۱۰) ایضاً، محولہ بالا

(۱۱) ایضاً، ص ۱۳۲

(۱۲) ایضاً، ص ۱۳۵

(۱۳) ایضاً، ص ۱۰۰

(۱۴) ایضاً، ص ۱۳۹

(۱۵) ایضاً، ص ۱۳۹

(۱۶) ایضاً، محولہ بالا

(۱۷) ایضاً، ص ۱۴۷، ۱۴۸

(۱۸) ایضاً، ص ۳

(۱۹) مولانا اللہ وسایا، ''تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء''، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان، ۱۹۹۱ء، ص ۶۶۷

(۲۰) شورش کاشمیری، ''تحریک ختم نبوت''، مطبوعات لاہور، جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۱۴۴

(۲۱) ایضاً، ص ۹۵

© rasailojaraid.com